

پلٹ کے پاکستان نہیں آئی۔ بس فون اور نیٹ کے ذریعے رابطہ رکھتا جو کہ ظاہر ہے، سرالی روایات کے تقاضے پورے کرنے سے قاصر تھا۔ اب کوئی سات سمندر پار بیٹھا، مخفی آواز کے سارے "سندپنا" دکھانے یا بھاونج کو دبا کر رکھنے کے فن کا مظاہرہ تو کرنے سے رہا۔

ساس انتہائی کم گوگوشہ نشین قسم کی اور اپنے کام سے کام رکھنے والی۔ انہیں مثالی ساس تو نہیں کہا جاسکتا تھا، ہی یہ بات سینہ ہونک کے نیعہ کہہ سکتی ہی کہ میری ساس نے مجھے بھو نہیں بٹھی سمجھا ہے اور ان گزرے نوسالوں میں مجھے ان سے بھی کوئی شکایت نہیں ہوئی مگر بہر حال وہ ایسی بہت سی ساسوں سے بہتر تھیں جن کا کام دن میں ستر بار بھوؤں کے کسی نہ کسی کام میں نقش نکالنا نکتہ چینی کرنا، بیٹوں کے آگے اپنی نا

جس چیز کی وہ خود سب سے بڑی مخالف رہی تھی اور جس کی وجہ سے شیراز کے ساتھ اس کی کمی باریخ کلائی ہو چکی تھی اور جس کے باعث معصوم بچے کئی بار اس سے ڈانٹ کھا چکے تھے، آج وہ خود اس چیز کی حمایت میں شیراز سے بحث کر رہی تھی، اسے دلائل دے رہی تھی۔ جبکہ وہ مخفی ضد میں آگرا ب اس کی بات ماننے سے انکاری تھا۔

"واہ، جب میں کھتارہ، پچے ضد کرتے رہے تب تمہارے پاس اس کی مخالفت میں اس سے دُگنے دلائل تھے۔ کہو تو اب ایک ایک کر کے گنواؤ؟ اب تمہارا اول کر رہا ہے تو یہی چیز جو گل تک سخت نقصان وہ لغو، بے ہودہ اور بخانے کیا کیا تھی یا کیا کیا کار آمد اور وقت کا تقاضا بن گئی ہے۔ بہت خوب مگر نہیں بیکم، ہر بات میں تمہاری من مانی نہیں چلے گی۔ اب یہ میرا

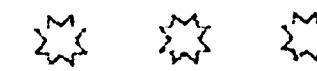
فائزہ (فتحیہ)



قدری کے رونے رونا اور میکے کے طعنے دینا ہوتا ہے۔ نو سالوں میں بھی ان کے درمیان تاخ مکانی تک کی نوبت نہیں آئی تھی لیکن اس کے باوجود کمی کو ان کی سرد مری اور گریز بھی بھار بہت کھلنے لگتا۔ گھر میں لوگ ہی کتنے تھے۔

شادی کے ابتدائی دنوں میں تو وہ شیراز کے آفس چانے کے بعد بولائی بولائی پھر اکرتی۔ ساس ای اخبار، میگزین لے کے گھٹشوں چاٹتی رہتیں، تسبیح پکڑ لیتیں یا پھر دوسرے کے کھانے کے بعد شام تک کے لیے کمرے میں بند ہو جاتیں۔ انہوں نے کمی کے کسی کام میں نقش بے شک نہیں نکالے تھے لیکن بھی اس کے سلیقے اور ہاتھ کے ذاتے کی تعریف بھی نہ کی تھی۔ شروع شروع میں وہ بہت ابھی لیکن پھر اس نے ان

فیصلہ ہے کہیں۔



ایسی بات سے پھرنا تو نیعہ نے بھی نہ سیکھا تھا۔ ایک بار جو کہہ دیا، بس کہہ دیا۔ ماں، پتھر پ لکیر ہو گیا۔ شادی کے بعد اس کے مزاج کی یہ نہت دھرمی سُدھرنے کے بجائے خطرناک حد تک پروان چڑھ گئی۔ میکے میں سب سے چھوٹی ہونے کی وجہ سے لاڈ بے شک بہت کیے جاتے تھے لیکن یہ شمار "بیٹوں" کے درمیان اسے من مانی کرنے کا موقع کم ہی ملا کرتا۔ سرال میں حالات خاصے ساز گارٹھرے۔ سروفات پاچے کے تھے۔ ایک بڑی سندھ وہ بھی نہ صرف شادی شدہ بلکہ کینیڈا میں مقیم بھائی کی شادی پہ جو آئی تو نوسال گزرے دوبارہ

”وہ اور زمانہ تھا۔ تب ایسی بے حیائی نہ تھی ان
چینلز پر۔“
”یہ دو سالوں میں زمانے کب سے بدلتے گئے نہیں
بیکم؟“

”میں کچھ نہیں جانتی۔ میرے ہوتے ہوئے اس
گھر میں کیبل نہیں لگے گا۔“
”کیوں؟ کیا تمہارے ہوتے ہوئے کیبل کی
ضرورت نہیں ہے گی۔ یا پھر تم کیبل کی کمی محسوس
نہیں ہونے دو گی؟“ اس نے شرارت سے اسے
چھیڑا۔

”کبھی سیریس بھی ہو جایا کرو۔ بچوں کے لیے کیبل
انتہائی نقصان رہ چیز ہے۔“

”مگر مشعل ابھی کیبل دکھنے کے لائق ہی کب
ہے۔ اس پر اس کا اچھایا براثر کیسے پڑ سکتا ہے؟“

”ابھی نہیں ہے مگر ایک دو سال تک تو وہی دی
دکھنے کے قابل ہو جائے گی پھر اس کے مضر اثرات
سے تم اسے کیسے دور رکھ پاؤ گے۔ اب پلیزیہ مت کہنا
کہ تب تک تم کیبل اتروا چکے ہو گے۔ میں جانتی
ہوں کہ ایسا نہیں ہو گا۔ ابھی تو تم اس کے عادی نہیں
ہو اسی لیے یہ روگ نہ ہی یا لوتوں بہتر ہے۔“

اور وہ چپ ہو گا۔ نیمہ کی بہت سی اچھائیوں کا وہ
تل سے معرف تھا لیکن شادی کے اس مختصر ابتدائی
عرصے میں ہی وہ یہ بات بھی جان گیا تھا کہ وہ اپنی کہنے
اور منوانے کی عادی ہے۔ گھر کے ماحول میں تھی پیدا
ہونے کا سورج کراس نے کتنا ہی عرصہ یہ ذکر نہ چھڑا۔
لیکن چند ہی مینوں میں کیبل کی یہ وبا اس تیزی سے
پورے ملک میں پھیلی کہ اس نے چھوٹے قصبوں اور
دیساں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ وہ جب اپنے
کمی دوست یا ملنے والے کے ہاں کیبل کے رنگارنگ
چینلز دیکھتا تو اسے گھر میں شام کو گزارے وہ تین چار
لکھنے اور بھی زہر لکھنے لگتے جس میں وہ زیموٹ ہاتھ
میں لیے گئی کے تین چینلز بدل بدل کر یور ہوتا رہتا
۔ کی کے پاس اب اس کے لیے اتنا وقت نہ رہا تھا وہ

کے اس روکھے ہٹکے مزاج سے سمجھوتہ کر لیا، کچھ اور پر
تلے بچوں کی پیدائش نے اس کا وہیان بنادیا۔ وہ ایک
اچھی مال کی طرح ان کی تعلیم و تربیت اور پرورش میں
جنت کئی۔

وہ ان ماوں میں سے نہیں تھی جو بے حال اڈ پیار
کر کے اور بچوں کی ہر فرمائش پوری کرنے کے انہیں تباہ
کرنے کا پورا پورا انتظام کر لیتے ہیں۔ شیراز کی نسبت
اس نے بچوں کو خاصا کھیچ کے رکھا ہوا تھا۔ وہ کتنے بچے
تک جاگ سکتے ہیں، گون سے کھیل کھیل سکتے ہیں اور
کس کے ساتھ کھیل سکتے ہیں، انہیں تفریح کرنے کی
اجازت کب ملنی چاہیے، کب انہیں آونگ کے لیے
یا اسے لینڈلے جانا چاہیے، یہ سب وہی طے کرتی تھی
اور شیراز کو اس نے ان معاملات میں قطعی دخل نہ
دینے کا سخت ترین آرڈر دے رکھا تھا۔ گھر میں کمپیوٹر
تھا لیکن بچے اس کا استعمال اپنی مرضی سے کرنے کے
اہل نہ تھے۔ اسی طرح اب تک ان کا گھر اگر کیبل کی
دبابے محروم تھا تو اس کی وجہ بھی صرف اور صرف یعنی
شیراز المعروف نبی ہی جو کیبل کی سب سے بڑی
مخالف تھی۔

شادی سے پہلے اس کے میکے میں کیبل تھا اور وہ خود
بھی زیادہ شوق سے تو نہیں مگر بھی بھار دیکھ لیا کرتی
تھی۔ اسے میوزک کا شوق تھا، ولی چاہتا تو میوزک
چینلز ہی دیکھا کرتی، نہ ہی وہ کوئی بہت کمزد ہی
گھرانے سے تھی۔ اس کے باوجود جب شیراز نے پہلی
بلاس سے کیبل لکوانے کا ذکر کیا تو وہ بہت سے اکثر
گھئی۔

”گھر میں بیٹی ہے اور تم کیبل لگواؤ گے؟۔“ اس کی
پہلو ٹھیکی مشعل اس وقت فقط گیارہ ماہ کی تھی۔

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟۔“ شیراز جیران ہوا
اس عجیب و غریب اعتراض پر۔

”تمہارے میکے میں بھی تو دو سال سے کیبل لگا ہوا
ہے اور جہاں تک میرا خیال ہے تم اس گھر کی بیٹی ہی
تھیں۔“

در میان لے آتے ہیں۔ ”اس نے اتنی بھرپور بحث کی کہ شیراز نے اگلے دو سالوں کے لیے بھرپور توبہ کر لی۔ اس سے زیادہ عرصے تک وہ خود کو باز نہ رکھ سکا۔ اب بہت سے پاکستانی پرائیوریٹ چینلز بھی کھل چکے تھے تفریجی پروگراموں کی بھرپور بھی اور ایک وہ تھا جو پیٹی وی اور پیٹی وی ٹو تک محدود تھا۔

”صرف الگش اور انڈین، ہی نہیں بلکہ بہت سے پاکستانی چینلز بھی کیبل پر دکھائے جاتے ہیں۔“

”صرف پاکستانی، ہی نہیں بلکہ بہت سے الگش اور انڈین چینلز بھی کیبل پر دکھائے جاتے ہیں۔“ نمی نے اسی کے سے انداز میں جواب دیا۔

”یہ تو بندے پر منحصر ہے کہ وہ کسی چیز سے کیا کام لیتا ہے۔ ہر چیز کے کچھ فوائد اور کچھ نقصانات ہوتے ہیں۔“ نہیں غیر ملکی چینلز کی بے یا کی نظر آ رہی ہے تکریہ بھی تو دیکھو کہ کتنے ہی معلوماتی چینل ایسے ہیں جن سے ہم فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ڈسکوری، ہسٹری چینل اور پیشناہ جیو گرافک، ان کے علاوہ بی بی سی اور سی ایں

شام کو چائے کے ساتھ خوش گیا، نہیں مذاق، چھپیر چھار، میوزک سے لطف اندوز، ہونا سب خواب و خیال ہو چکا تھا۔ وہ اوپر تلے کے تین بچوں میں الجھی رہتی۔ کسی کی پولی بنارہی ہے، کسی کا دانہر چیخ کر رہی ہے تو کسی کو سرکل کھلا رہی ہے۔

”میں کیبل لگوارہ ہوں۔“ اس بار اس نے فیصلہ کرنے لیجے میں کہا۔ مشعل اب اسکوں جانے لگی تھی، سعد ڈھانی سال کا تھا اور کچھ میتوں تک وہ بھی مونیسوسوری جانے کے قابل ہوا جاتا، احمد سوال کا تھا۔

”ہرگز نہیں۔ میرے بچوں کی تعلیم پر اثر پڑے گا۔“

”مشعل ابھی پریپ میں ہے، پی ایچ ڈی نہیں کر رہی جو میرے کیبل لگوانے ہے۔“

”چار سال کی بچی کے لیے یہ پریپ کلاس بھی یہ ایچ ڈی کرنے کے برابر ہے۔ ابتدائی کلاسز میں بچوں کا یاں اسٹیڈریز کی جانب زیادہ رتحان ہونا ضروری ہے ورنہ تعلیم سے عدم رکھیں کیونکہ ان کی گھٹی میں پڑ جاتی ہے۔“

”میں کیبل کا کنکشن اپنے ہیز روم میں لگاؤں گا۔ تم بچوں کو سے۔“

”مشعل اور سعد رات کو صرف سونے کے لیے اپنے کرے میں جاتے ہیں۔ ون کو نہیں میرے پاس ہوتے ہیں۔ تم جانتے تو ہو کہ میں بچوں کو اپنی نظریوں کے سامنے اپنی نگرانی میں رکھنا پسند نہیں ہو۔“

”تو تم اپنی نظر کے سامنے اپنی نگرانی میں انہیں رکھو گی تو وہ تم سے چھپ کر لی وی کیسے آن کریں گے۔ وہ تو صرف میرے۔“

”ہم جو چیز بھی اپنے لیے جائز قرار دیں گے، اس سے بچوں کو کیسے منع کر سکتے ہیں اور کیا کہہ گر منع کریں گے؟“

”آخر تم بار بار میری بات کیوں کاٹتی ہو۔“ وہ نرچ ہو گیا۔

”اور آپ بار بار یہ بے کاری ضد کیوں ہمارے

ادارہ حقوق انسانوں کے معرفت کا اول

- * دل پھپوں کی بستی — بحث عبید اللہ — 400/-
- * جو پلے تو جہاں میز رکھئے — تاما ملکت — 50/-
- * وہ حنبلی سی دیوالی سی — آپ سیدہ قریشی — 400/-
- * طاش اپرلا ہوتی — رفت سراج — 55/-
- * ایمان اسید اور محبت — میرزا احمد — 180/-
- * خواتین کا گھر بلو اسائیکل پیڈیا — 600/-

خوبصورتی، آفٹ پیپر، خوبصورت پھیپھی دیدہ زب معمولیں

شائع ہو گئے ہیں

مکتبہ عمران ڈائیکسٹری کراچی
شوال یعنی

- لاہور اکڈمی
- مسٹلائن سویا یونیورسٹی
- غظیم ایسٹ سٹنٹ
- اسلامیہ کتب خانہ

راوی پسندی میں
اشراق نیک ایجنسی
مہماں نیوز ایجنسی

ایں۔"

"آپ مطالعہ کی عادت اپنائیے اس سے بھی معلومات میں خاطر خواہ اثر پڑے گا۔ جب کیبل اور ڈش اینٹنیا نہیں تھا، کیا تب ہمارے ملک میں کوئی شخص دانش ور نہیں تھا؟ عجیب باشیں کرتے ہیں آپ۔ مانا کہ کسی بھی سامنے ایجاد سے فائدہ اٹھانا انسان پر ڈپنڈ کرتا ہے لیکن یہ بھی تو نہیں کہ انسان فطری طور پر برائی کی جانب زیادہ جلدی مائل ہوتا ہے۔ اور رہے پچھے تو ان میں اپنا بھلا برا جانے کی تمیز ہی کماں ہوتی ہے اور اس مکان سے بھی نکل آئیے کہ یہ معلوماتی چینل ہمارے بچوں کے لیے مفید ہابت ہو سکتے ہیں۔"

ان میں بعض اوقات ایسی ایسی "معلومات" فراہم کی جاتی ہیں۔ جن سے ہم مشرقی والدین اپنی اولاد کو بے بہرہ رکھنا ہی مناسب سمجھتے ہیں۔ یہ نیشنل جیوگرافک چینل، جس کے آپ کن گار ہے ہیں اس دن بھالی کے ہاں میں نے دیکھا، کیسی بے ہودگی سے بے لباس قبائلی عورتوں کو دکھاریے تھے۔

"واہ، خود تو میکے جا کے دیکھ آتی ہو بے لباس قبائلی عورتیں اور ایک ہم ہیں۔" اس نے چرپے چڑھانے بھر کی مسکینی طاری کرتے ہوئے کہا تو نبی کو نہیں آگئی۔ شیراز نے رفتہ رفتہ اس مسئلے پر نعیمه سے اپھنا ترک کر دیا۔ اس کی من مانی سے وہ آپ بھی خائف رہتا تھا لیکن اتنا جان گیا تھا کہ وہ اگر کیبل کی اس حد تک مخالف ہے تو ایک لحاظ سے پہ بات اس کی اولاد کے فائدے میں ہی جاتی ہے۔ غیر ملکی چینلز کے ساتھ ساتھ اب پاکستانی چینلز بھی مادرن ازم کے نام پر آئے دن جو ایک نئی حد پار کرتے تھے اس کا مرظا ہر وہ اکثر روپیشتر کیس نہ کہیں دیکھ لیتا تھا۔ لیکن اب یہ فرمائش بچوں نے شروع کر دی تھی۔

"اما! ایمان کے گھر کیبل ہے نہیں، اس پر کارروں نیٹ ورک چینل آتا ہے، ایمان بتاتا ہے اس چینل پر ٹونٹی فور آورز کارروں آتے ہیں۔" سعد نے بتایا۔ "بیٹا جی! ٹونٹی فور آورز ہوں یا فورٹی ٹو، آپ کے

پاس تو کارروں دیکھنے کے لیے صرف ایک ہی گھنٹہ ہے۔ اس سے زیادہ ناکم ہی کہاں ہے۔" اس نے حقیقت بیان کی۔ اسکول سے آگر کھانے سے فارغ ہونے کے بعد وہ انہیں سلاادیتی اور شام کو دیکھنے پڑھانے کے بعد بمشکل ایک گھنٹہ ان کے پاس ہوتا تھا اُنی وی دیکھنے کے لیے بھی تو کارروں آرہے ہوتے اور بھی نہیں۔ اس کے بعد قاری صاحب سپارہ پڑھانے آجائتے۔ رات کو وہ جلدی سو جاتے۔

"لیکن ماں! ماموں کے گھر آپ نے دیکھا وہ سب کتنے مزے کا ڈرامہ دیکھ رہے تھے بچوں کا۔ سونا پری والا اور وہ جو میجک پنسل والا ڈرامہ ہے۔ اس کا میں نے صرف ٹریلر دیکھا تھا، اتنا انشرٹنگ تھا۔ میرا بہت مل چاہا یورا ڈرامہ دیکھنے کا، لیکن نیکسٹ ڈے ہم اپنے گھر آگئے تھے۔"

"شکر ہے خدا کا کہ آگئے تھے۔" وہ بڑرہائی۔ اس وقت تو اس نے پیارے انہیں سمجھا لیا لیکن اُنکی بار ضد کرنے پر انہیں تختی سے ڈانت دیا۔ اور اب وہی نعیمه، شیراز سے کیبل لگوانے کا کہہ رہی تھی۔



"ارے بھو! تمہاری سیلی آئی ہے۔ تم نے بتایا، ہی نہیں، کیسی ہو بیٹی؟"

وہ بھی سنوری خوش لباس، خوش مزاج اور خوش گفتار خاتون بڑی اپنائیت کے ساتھ اس کے شانے پر ہاتھ رکھے پوچھ رہی تھیں۔

"بھی شکر سے اللہ کا، میں ٹھیک ہوں۔" وہ انہیں پہچاننے کی کوشش کرنے لگی۔ خاصی جانی پہچانی سی صورت ہی، کچھ حد تک فاخرہ کی سیاس سے ملتی جلتی۔ نعیمه اس وقت فاخرہ کے گھر میں ہی۔

فاخرہ سے اس کی دوستی زمانہ طالب علمی سے تھی۔

شادی کے بعد وہ ملنا جلناتونہ رہا، لیکن رالٹھ بھر حالی برقرار تھا۔ سال میں دو تین بار دونوں کسی نہ کسی موقع پر مل ہی لیتیں۔ اس بار نعیمه تقریباً آٹھ ماہ کے بعد

چاہنے کے سے انداز میں یوچھا۔
”پہلے تو میں تمہاری غلط فتحی نمبر ایک دور کر دوں کہ وہ میری خالہ ساس ہیں۔ بھئی یہ میری خالص ساس ہیں۔ میرے شوہر میں احمد کی حقیقی والدہ اور غلط فتحی نمبر دو کا جواب ہے کہ وہ محبت کرنے والی خاتون ہیں نہیں۔ ہاں بننے کی کوشش ضرور کر رہی ہیں اور خاصی دلجمبی ہے کہ رہی ہیں۔ بس بھئی کبھار اور ایکنگ کا شکار ہو جاتی ہیں۔“

اس کی باتی گفتگو نیمہ کے سر سے گزر گئی۔ زہن میں بس اتنا ہی اٹک کے رہ گیا کہ وہ فاخرہ کی اصل ساس ہیں۔

”تا ممکن، تم نذاق کر رہی ہو۔ کیا میں تمہاری ساس سے مل نہیں چکی؟“ اس نے بے یقینی سے سر لایا۔
”کہاں وہ کہاں یہ۔“ اسے فاخرہ کی ساس اچھی طرح یاد تھیں۔ ان کی شکل و صورت بھی اور مزانج بھی۔ ڈھلے ڈھالے بد رنگ سے کپڑے پنے، ہواںی چیل گھستیں اکثر نظر آیا کرتیں۔ اس کے سلام کا جواب رکھاں سے دینے کے بعد شاید ہی بھی انہوں نے اس سے کوئی دوسری بات کی ہو۔ ماتھے پر تیوریاں البتہ لازمی ہوتیں جو کہ بقول فاخرہ کے ”میرے ملنے والوں کے لیے تیار رکھی ہوئی ہیں۔“ الجھے الجھے سے کھجڑی بال، جن پر ذاتی کی اشد ضرورت ہونے کے باوجود انہیں رنگنے سے پرہیز ہی کیا جاتا، مزا جا۔“ بھی بالکل مختلف تھیں۔ اکثر ہی فاخرہ ان کی نکتہ چینی کے گلے کیا کرتی، اسی سے پتہ چلا کہ بھگو بھگو کے طعنے مارنا ان کی عادت ہے اور ریس سے اس کے جھگڑے کروانا ان کا شوق۔

اور اب وہی فاخرہ ان خاتون کو اپنی ساس کہہ رہی تھی۔ جو شکل و صورت کے لحاظ سے بے شک ان سے بے حد مشایہ تھیں مگر عمر میں کم از کم دس بارہ سال کم لگ رہی تھیں۔ وہ آدھے سفید بالوں، بے رونق چہرے والی بچپن سائھ سالہ کوفت زدہ خاتون اور یہ کھڑے سیاہ رنگ بالوں کا برا سما جوڑا بنائے جوڑے پر مویتے کا گجرال پیٹے، شوخ رنگ کی ریشمی سائز ہی پنے

اس سے ملنے اس کے گھر گئی تھی۔ آٹھ ماہ پہلے فاخرہ اس کے گھر تب آئی تھی جب اس کے سب سے چھوٹے بیٹے احد کا عقیقہ تھا، فاخرہ کی چھوٹی بیٹی پچھلے ہشتے نمونے کا شکار رہی تھی۔ تب تو وہ مصروفیت کی وجہ سے نہ جاسکی مگر آج وقت نکال کر جلی آئی تھی۔ یوں دنوں کی ملاقات تقریباً ”آٹھ ماہ بعد ہو رہی تھی۔“ جب کہ فاخرہ کی ساس سے ملے ہوئے اسے دوسال ہونے کو آئے تھے اور دو سال کا عرصہ اتنا کم نہیں ہوا کہ وہ ان کی شکل و صورت بھول جاتی۔ ان کی اپنی خاصی مشابہت ان خاتون سے اسے صاف محسوس ہو رہی تھی۔

”شاید ان کی چھوٹی بیٹی ہو۔ شاید نہیں یقیناً۔ جبھی تو فاخرہ کو بھو کہہ رہی ہیں دیے کتنا عجیب سالگاتا ہے یہ طرز تھا۔ سید حاسید ہاتام لے کر پکار لیں۔“ اس نے سوچا۔

”کتنے عرصے بعد آئی ہو، لگتا ہے گھر اور بچوں کی ہی ہو کے رہ گئیں۔ چیخ فاخرہ کے ساتھ ساتھ میں بھی تمہیں اکثریاد کرتی ہیں۔ وہ اس کا باانہ ملائمیت ہے تھا میں شار ہو رہی تھیں اور وہ بے ہوش ہو رہی تھی۔ یہ سوچ سوچ کر کہ ان خاتون سے اس کا ایسا عاشقانہ کب اور کہاں رہا ہے؟ وہ لیٹ کر فاخرہ سے پوچھنا ہی چاہتی تھی کہ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔“

”تم بیٹھو، میں تمہارے لیے چائے لاتی ہوں۔“
”ارے بھو! ہمایا کرتی ہے ری تو۔“ ان خاتون نے مسکارے سے بو جھل پکلیں بڑے ناز سے پٹ پٹائیں۔

”کتنے عرصے بعد تیری سہیلی آئی ہے، تو بیٹھ، چائے میں بناؤ کر لاتی ہوں۔“ انہوں نے فاخرہ کی ٹھوڑی پیار سے چھوتے ہوئے کہا۔

”ویے تو مجھے یہ تو تکار سے بات کرنے والے لوگ زہر لگا کرتے ہیں چاہے اپنے سے چھوٹے کوہی کیوں نہ پکار رہے ہوں لیکن تمہاری خالہ ساس کے لمحے میں کوئی بات ہے بھئی۔ یہ تو تکار بھی ناگوار نہیں لگتی۔ بہت محبت کرنے والی خاتون ہیں۔“ اس نے تقدیر ق

یوں مل جائے تو اس کھڑک کی کیا ضرورت۔ قدرت نے یہی والی ٹھیک نٹھاک کر کے نئی کردی ہے۔“ وہ نہی باتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ وضاحت طلب کرتی وہ چائے اور لوازمات سے بھی ٹرانی و حکمیتی دوبارہ جلی آئیں۔

”یہ حلوہ چکھ کے دیکھو“ میں نے بنایا ہے اور ہاتھ سے نہیں، دل سے بنایا ہے۔ اپنی ساری مامتا اور محبت اس میں بھول کے رکھ دی ہے۔“

ان کے اتنے مان سے کہنے پر اس نے فوراً ہی وہ حلوہ پیٹ میں نکالا کہ ذرا چکھ کے تو دیکھا جائے اتنی انوکھی ”ریسیپی“ سے کیا چیز تیار ہوئی ہے۔

”لے ناں تو بھی لے۔“ انہوں نے فاخرہ کے منہ میں اپنے ہاتھ سے چچھے بھر کے ڈالا۔

”اپنی صحت کے ذرا خیال نہیں رکھتی تو۔“ اری بدھوئی کی تو زین ہیں۔ پہنا اوڑھا کر کھایا پا کر تو خوش رہے گی تو رہنے پر بھی خوش رہیں گے اور اس کھر کی خوشی میں ہی تو میری خوشی ہے۔ یہ گھر نہیں، میری جنت ہے۔“ ابھی شاید وہ چکھ اور ڈائیلا گز جھماڑتیں کہہ رہیں احمد بھی آفس سے آگئے۔

”آکیا تو۔“ انہوں نے پیار بھری خفگی سے اسے گھوڑا بانپ والی خجالت بیٹھی کے چہرے پر بھی آگئی۔

”اوہر آزر ای بتا“ کیوں نہیں خیال رکھتا میری بھو کا۔“ انہوں نے اس کا کان ھینچا۔ رہیں احمد کا چہرہ سرخ ہو گیا، نجاحے کیوں؟

”بے چاری دن بھر لگی رہتی ہے اور تو اتنی دیرے کھڑ آ رہا ہے۔ چلی، میری پیاری سی بھو کو باہر گھما کے لا، ڈنر کر اکے لا۔ اچھی سی ساڑھی لے کے دے۔“ تجھے پتا ہے نال کہ یہ میری بھو نہیں، بیٹی ہے بیٹی۔ پکھ سمجھا بھی ہے کہ نہیں۔“

”تیر سب کیا ہے؟“ وہ فاخرہ کو گھستیتے ہوئے دوسرے کمرے میں لے گئی۔ اسے سب کچھ جاننے کی بے تالی تھی۔

”یہ تمہاری ساس کسے ہو سکتی ہیں؟ ناممکن۔؟“ اگر یہ واقعی رنج ہے تو کیا ان کی دماغی حالت خراب ہو چکی

اور سلیقے سے کے گئے میک اپ والی محترمہ جن کا لب ولجھے بے انتہا شیریں، انداز ہر آیکھے پنچھاوار ہو جانے والے اور چال ڈھال تک حد درجہ تھیں اور زائد تھے بھرپور، عمر زیادہ سے زیادہ چالیس پینتالیس سال لگ رہی تھی۔

وہ ایک بار پھر ریزور طریقے سے فاخرہ کے بیان کی تردید کرنا چاہ رہی تھی کہ فاخرہ کے سر کی آمد ہوئی۔ اس نے سلام کیا، ہی تھا کہ وہ خالتوں بچنے سے تیز تیز قدموں کے ساتھ چلتی دوبارہ لا اونچ تک آئیں۔

”آگئے آپ؟“ میں نے کہا بھی تھا کہ آج ذرا جلدی آجائے گا، یاد نہیں رہا کیا؟“ ان کا کوت اتارنے میں مدد دیتے ہوئے انہوں نے آخری فقرہ بڑے محبوبانہ انداز میں لجاتے ہوئے کہا۔ وہ بے چارے غالباً ”بسو اور اس کی سہیلی کی موجودگی میں ذرا خفیف سے ہو گئے۔

”بس وہ ذرا کام زیادہ تھا۔“ کوشش پوری پوری تھی کہ کسی طور لا اونچ سے کھسک لیا جائے مگر وہ بازو تھام کے گویا کمل ہو گئیں۔

”اوہ، ہو بکام زیادہ تھا۔“ کیا کمال کی گردن مشکلی گئی۔

”اتنا کام تھا کہ میں بھوول گئی، میرا جنم دن بھوول گیا۔“

سازھی سے میچنگ سونے کے گلوبند پہ انگلیاں پھیرتے ہوئے شکوہ کیا گیا۔ نعیمہ شدید حیرت کے عالم میں، فاخرہ کوفت سے اور سر صاحب انتہائی خجالت سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ اب نعیمہ کو کچھ کچھ تیقین ہونے لگا کہ وہ واقعی رہیں کی والدہ ہوں گی بھولا سالی اس قدر بے تکلفی سے اور وہ بھی سب کے سامنے بہنوئی سے التفات جتنا کانا معقول مظاہرہ تو نہیں کر سکتی۔

”آپ چائے پی لجھئے،“ میں نے آپ کے کپڑے نکال رکھے ہیں، تیار ہو کر باہر چلتے ہیں۔

”تمہارے سر نے دوسرا شادی کیا؟“ ان دونوں کے جانے کے بعد نعیمہ نے ہونق پین سے پوچھا۔

”نہیں، جب دوسرا شادی کیے بغیر، ہی نئی نکور

اے دادے کر شہر دینے کے بجائے ہو کا ساتھ دیتی ہیں، اے شوہر کے مقابل کھڑے ہونے کی پٹی رہائی ہیں، صرف ایک بھوکی خاطر سارے زمانے کی مخالفت مول لے لیتی ہیں۔ آفرین سے بھی اس عشق پر اور یہ صرف میری ساس کا نہیں، پاکستان کی اکثر ساسوں کا حال ہے۔ جیسے کوئی دبا پھوٹ پڑتی ہے تال یا جیسے کوئی فیشن اس تیزی سے پھیلتا ہے کہ کوئی بھی اسے اپنا نہ میں پچھئے نہیں رہنا چاہتا۔ اسی طرح اچھی خاصی ہٹلر ساسیں بھی ”تلسی“ بننے کے مراقب میں بتتا ہو چکی ہیں۔ میری ساس بھی پچھلے سال اس فیشن کی زد میں آئی تھیں۔ اور ریس اور ان کے ابا بے شک ان کے اس نے شوق سے تالاں رہتے ہوں یا شرمندگی محسوس کرتے ہوں مگر بھی اپنے تو مزے ہیں۔ خرچا شک پچھے بڑھا ہے، اب یہ ہر مہینے فیشل اور ہر ہفتے پلینگ وغیرہ کو اپنے پار ل رجاتی ہیں، شانگ بھی کرنا پڑتی ہے، آخر اشارپیں کی ساسوں کا مقابلہ کرنا ہے بھی، تک سک سے درست تو رہنا پڑے گا۔ تم نے دیکھا نہیں کیسے لشک پشک کے رہتی ہیں ساری کی ساری تالی، داوی۔ حتیٰ لہ پروادی تک کی میچنگ دیکھنے کے لائق ہوتی ہے اور یا ر ”تلسی“ تو یہی کووار نے کے بعد بھی سر جھاؤ منہ پھاڑ نہیں رہی تھی تو میری ساس کیسے اپر انے ملے میں نظر آئیں۔“
وہ سنشل نہیں رہی تھی۔

* * *

اے یہ فیصلہ کرنے میں زیادہ وقت نہ لگا تھا۔ گر آتے آتے وہ تھیہ کر چکل کھی کہ اب اس کے گھر میں کیبل لگ کے رہے گا۔ لیکن براہو شیراز کے اندر کے ہٹ دھرم مرد کا، جسے ان نو سالوں کے بعد آج ہی جاگنا یاد آیا تھا وہ بھی اب اپنی ضدیہ اڑا گیا۔

”واہ، جب میں کہتا رہا، پچھے ضد کرتے رہے تب تو تمہارے پاس اس کی مخالفت میں اس سے دُگنے دلا مل تھے کہ تو اب ایک ایک کر کے گنوادوں؟ اب تمہارا دل کر رہا ہے تو یہی چیز جو کل تک سخت نقصان

ہے؟ یا تم نے ان پر کوئی تحریرے تعویذ گندے کرائے ہیں؟ وہ تو اپنے شوہر سے سیدھے منہ بات تک کرنے کی روادر نہیں تھیں۔ تم نے ہی بتایا تھا کہ جو تی کی نوک پر رکھتی ہیں میاں کو۔ اور ریس بھائی، ان کو تمہارے خلاف ہمیشہ بھڑکایا ہی کرتی تھیں اور سب سے حیرت انگیزیات تم سے اتنی محبت۔ یہ انہوں کب اور کیسے ہوئی؟ یا ریلیز مجھے بھی اس بنگالی بایا کا پتا بتاؤ جس سے تم نے یہ تعویذ کرائے ہیں، میں بھی دو چار لے لوں، میری ساس نے تو دیلمے دالے دن آخری پار میرے سرپرہ ڈھیلا سا ہاتھ پھیرا تھا، اس کے بعد مجھے یاد نہیں، وہ بکھنی میرے ساتھ محبت یا شفقت سے پیش آئی ہوں۔“

”یہ تعویذوں کا نہیں میری جان!“ اشارپیں کا کرشمہ ہے۔“

”اشارپیں کا؟“

”ہاں، تم نہیں جانتیں،“ اشارپیں نے ”ساس سدھار“ سہم شروع کی ہوئی ہے۔ ان کے لئے لے چلنے والے ڈراموں میں ایسی ایسی مافوق الفطرت ساسیں پیش کی جاتی ہیں کہ یو جھوہی تال، اور تم تو جانتی ہو پاکستانی قوم کا مزاج۔ فطرتاً ”خاصی سہم جو سے خپلیخ تو قورا“ قبول کرتی ہے، ہماری قوم اور انہوں ہو جو میں اور ناممکن کو ممکن میں بدلنے کا بیڑہ انہما ان کی عادت ہے۔ وہ ان مثالی ساسوں کی دیکھا دیکھی ہمارے ہاں کی اکثر ساسوں کو ”تلسی پاروتی“ اور ”سوئتا“ بننے کا ہوا کا اٹھا ہے۔“

”یہ کون خواتین ہیں؟“

”یہ اس قسم کی ساسیں ہیں جو انڈیا میں موجود نہیں۔ یہ اصل میں ان کے اندر کی حرست اور شغلی ہے جو ڈراموں میں ان کرواروں کے ذریعے سامنے آئی ہے۔ جتنی بھو میں بھارت میں چولے پھٹ جانے کی وجہ سے مرتی ہیں، یہ ایک ریکارڈ ہے۔ ایسے میں گھسن کا شکار، محرومی کی ماری یہ عورتیں ڈراموں میں ایسی ساسیں دیکھ کے اپنا دل پشوری کر لیتی ہیں جو بھوکی بلا میں اپنے سر لے لیتی ہیں اور جو بیٹے ہمی کوتا ہی پہ

سے بیل کیا تھا وہ علاقے کے کیبل والے کو فون کرنا تھا۔



اور کیبل لٹنے کے بعد سب سے پہلا کام جو نمی نے کیا وہ اپنی ساس کے کمرے میں کنکشن کالگو اتنا تھا۔ ”ذراد یکھوں تو“ ایسا کیا ہے اس میں۔ ”بڑے شوق سے اس نے فاخرہ کے بتائے ہوئے ڈرامے دیکھنا چاہے۔

”یاد حشمت! ڈرامہ ہے کہ ساسوں کی کیٹ واک، اس کا نام تو“ کیونکہ ہر طرف ساس ہی ساس ہے۔ ”ہونا چاہئے ایک ساس، اس کی بہو خود بھی ساس“ ساس کے درجے پر پہنچنا گویا آبِ حیات پینے کے متراوف ہے کہ جو ایک بار ساس بن جائے، مرتا تو جیتے ہرام ہے اس پسے۔“

ایسے نے ایک ہی قسط دیکھنے کے بعد توبہ کر لی۔ لیکن امید بھی کہ ساس جی اس توبہ استغفار سے پہیز کریں گے اس لی دیکھنا ان کا دل پسند مشغله تھا۔ ایسے ایسے بے رنگ ڈرامے اور پھنسنے سے پروگرام بھی وہ اتنی رغبت سے دیکھا کرتی تھیں تو کیبل کے چینلز کی لٹ پڑنا کون سی بڑی بات تھی۔

نمی کا اندازہ درست نکلا۔ ویسے بھی دن کا بیشتر حصہ اپنے کمرے میں بند گزارا کرتی تھیں سواب بھی وہی حال تھا۔ البتہ اب اسے کمرے کے بند دروازے کے آگے سے گزرتے ہوئے مختلف انڈین ڈراموں کے ٹائل سونگز سنائی دینے لگے تھے۔ وہ آٹھینان بھرے سانس لئے کے آگے بڑھ جاتی۔ اسے بے چینی سے مطلوبہ نتائج کا انتظار تھا۔



کچھ وقت لگا، لیکن کچھ نہ کچھ اثرات نعیمہ کو نظر آئے ہی لگے۔ رنگ ڈھنگ بول چال سیپ ”شار پس“ رنگ چڑھ رہا تھا۔ لیکن جو وہ چاہتی تھی وہ نظر نہ آ رہا تھا۔ اس کے ساتھ ان کا رویہ اب بھی لیا ریا سا تھا۔

وہ سو بے ہو وہ اور جائے لیا لیا سی نیکیں کار آمد اور وقت کا تقاضا ہو گئی ہے۔ بہت خوب، مگر نبی پیغمبر، ہر بات میں تمہاری من مانی نہیں چلے گی۔ اس یہ میرا نیصلہ ہے کہ اس گھر میں کیبل بھی نہیں لگے گا۔ میرے ہوتے ہوئے تو ہر کمز نہیں۔“

”ہاں تو تمہارے جانے کے بعد لگ جائے گا۔“ ”کیا؟ کیا کہا تم نے؟“ اس کے بے فکری سے کہنے پر شیراز صدے کی شدت سے بے حال ہو گیا۔ اف ایسی ناقداری۔

”میرا کہنے کا مطلب ہے کہ تمہیں پسند نہیں تو تمہارے ہوتے ہوئے یعنی گھر میں تمہاری موجودگی میں لی وی آن نہیں ہو گا۔“ ”گھر“ سے تمہارے جانے کے بعد لگ جایا کرے گا۔ ”اس نے ”گھر“ پر زور دیتے ہوئے اپنی بات کی وضاحت کی۔

”ہاں، کیبل کی فیس میں بھروس، بھل کے بل میں مر مر کے ادا کر دوں اور ”جادو“ نگری سے آیا ہے کوئی جادو گر“ تم دیکھو۔“ اس نے تملاتے ہوئے کہا۔ وہ غصہ تھا، مرداغی تھی۔ جو بھی چیز تھی، جو یہ کیک اس کے اندر انگڑائی لے کے بیدار ہوئی تھی، اسے تھیکیاں، لوریاں دے کر سلانا نعیمہ کے لیے بس دو گھنٹے کا گھیل تھا اور وہ بھی با میں ہاتھ کا۔ سو اگھنڑا گاکے اس نے شیراز کا من پسند کھانا تار کیا، بیس منٹ تک اسے اصرار کر کر کے پلاو، پچے قیمے کے کباب اور وہی بڑے حلق تک ٹھنڈے اگلے دس منٹ تک وہ اس کے سامنے ٹھنڈا میٹھا گھرپلا اور گرم ٹائم کافی پیش کر چکی تھی اور آخری پندرہ منٹ جو اس نے آئنے کے سامنے اپنی نوک پلک سنوارنے میں گزارے وہ گرتی ہوئی دیوار کو ایک دھکا اور دینے کے متراوف تھے۔

دو گھنٹے ختم ہونے سے بس دو ہی منٹ تک جب وہ شیراز کے من پسند رنگ کا سوت پہنے، اس کے فیورٹ پر فیوم کا چھڑکا دیکے لائٹ سامیک اپ کیے کمرے میں داخل ہوئی تو کچھ یہی کا آخری چچے منہ میں بھرتا ہوا شیراز دکار لیتھے ہوئے ڈھیر ہو گیا۔

صحیح سب سے پہلا کام جو شیراز نے آفس جانے

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوئی سیراز



- * گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے،
- * نہایاں آگتا ہے بالوں کو مضبوط اور چکدار بناتا ہے
- * مردوں عورتوں اور بچوں کے لیے مکام مفید ہر دوسری میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

سوئی سیراز
60 روپے

12 جڑی بوشیں کام کر پ

ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی نقداری میں تیار ہوتا جائے یہ بازار میں یا کسی روپر شہر میں دستیاب نہیں کرائی جیسی دستی خریدا جا سکتے بلکہ شیشی کی قیمت صرف 60 روپے ہے لہذا سیراز کی آورڈر بچ کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوں ہیں جبکہ اس سے منگوانے والے منگنے آرڈر اس حساب سے بھجوائیں

ایک شیشی کے لیے — 80 روپے

2 شیشیوں کے لیے — 140 روپے

3 شیشیوں کے لیے — 210 روپے

فرٹ اس سے میرے ڈال خرچ اور پیکنگ چار جز شامل ہیں

سونھے آرڈر بھیجنے کے لیے ہم راپتا:

بیوٹی بکس 53 اور مگنیپ مارکیٹ سیکنڈ فلو

دستی خریداری و الحضرات سوہنی پھیراں مل پتوں سے مل جائیں کریں

بیوٹی بکس 53 اور مگنیپ مارکیٹ سیکنڈ فلو

ایم اے جناح روڈ، کراچی

و مکتبہ عمران ڈا بھجٹ 37 اردو بازار

کراچی فون نمبر 7735021

”اوغہ، کب یہ مجھ پر داری صدقے ہو جانے والی ساں بنیں گے۔“

بڑی تبدیلی بھی ایسے ایک روز نظر آئی گئی مگر یہ تبدیلی اس قدر غیر متوقع تھی کہ وہ خود ہتھیارہ کئی۔ اس روز وہ شاپنگ سے واپس آئی تھی۔ ساہس امی چسب معمول اس کی غیر موجودگی میں لی وی لاونچ میں بھی موجود تھیں لیکن اس کے آنے کے بعد اپنے کمرے میں جانے میں انہوں نے دیر نہ لگائی۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ وہ کچھ دری کے لیے بچوں کو دیکھ لیا کرتی تھیں۔ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی انہوں نے اس کی شاپنگ ویکھنے میں کوئی خاص دلچسپی ظاہر نہ کی، بلکہ ایک اچھتی سی نظر پھولے پھولے شاپنگ لیکھر پر ڈالی اور کمرے میں بند ہو چکی۔

نیمنہ نے شانے اچھاتے ہوئے اور شاپنگ کا سامان اپنے بندروں میں جوں کا توں چھوڑ اور بچن کا سخن کیا۔ رات کا گھانا بنانے کے لیے وقت بست کم تھا۔ سیراز کے آنے کے بعد وہ خوشی خوشی اسے اپنی شاپنگ کی تفصیل بتا رہی تھی اور ساتھ ساتھ اپنی لالی ہوئی چیزیں دکھانی تھیں۔

”اف تو بہ منگالی۔ پچھلے سال بچوں کا یونیفارم کا مکمل سیٹ پارہ سو کا آیا تھا، اس سال سولہ سو کا ہو چکا ہے۔ دو نوں بچوں کا سرڈیوں کا یونی فارم پورے تین ہزار میں آیا ہے۔ لتنی بچت کے بعد اس ڈھیٹ دکاندار نے صرف دو سورے کم کیے اور یہ آپ کا شلووار سوت کا کپڑا ہلاکا والا بھی تھا۔ ساتھ رہے ہی میرٹک، لیکن میں اچھا والا لے کے آئی ہوں۔ بھتی سنابے، منگاروئے ایک بار ستاروئے بار بار۔ یہ سوت پورے سائز ہے چھ سو کا آیا ہے۔“

”یار تھی! اتنی تفصیل کی کیا ضرورت ہے۔“ سیراز نے بور ہوتے ہوئے ریموت کنٹرول اٹھایا۔

” بتا نا پڑتا ہے، کہیں آپ یہ کہیں کہ میں آپ کے پیسے برباد کر آئی ہوں۔ منگالی اس قدر ہے کہ چاہتے ہوئے بھی بچت نہیں ہو سکتی۔ یہ سب ضرورت کا ہی سامان ہے۔ وہ کہیں ناں میں نے بھلا اپنے لیے کیا لیا

دو یہیں، مدد رہن کی کہ بعیدیں وہ دیسے بیسر ہی پھاڑ
ڈالے۔

”یونی فارم کابل دو کوٹ، دو جرسیاں، دو شرٹ،
ایک پتلون، ایک اسکرت، ٹوٹل انگ سوبچاں روپے
اور یہ دوسرا بل، حیدر گار منش کا، ایک عدد مردانہ
شلوار سوت کا پیرا، سائز ہے پانچ میٹر، ٹوٹل بل چار سو
پیکٹس روپے اور یہ تیسرا بل حرابوتیک کا، ایک عدد
مرپنہ ریڈی میڈ سوت۔ ایک پرنٹد لینن سوت۔“

اس سے زیادہ پڑھ کے اسے کرنا ہی کیا تھا، وہ مرٹے
ترٹے کاغذ ایک بار پھر مٹھی میں مرڈ کے گول مول
سے کر کے شیراز نے دیوار پر دے مارے۔

”کیا ہوا؟ بے کارتھے؟ تو میں سمجھی شاید کام کے
ہوں۔“

وہ مرٹے سے باہر نکل گئیں اور نیمہ سوچتی رہ گئی کہ
بازار سے آنے کے بعد اس نے یہ رسیدیں ہمیشہ کی
طرح الماری میں کیڑوں کی تھوں کے لیے چھپائی
تھیں، پھر یہ پکن تک لیے چھیں۔

”برا ہو تمہارا فاخرہ! یہ کیا غمول مشورہ دیا ہے۔
میری ساس تو دودھاری تلواریں کے رہ گئی ہیں۔“

اس واقعے کے ٹھیک بارہ ہویں روز وہ روتے ہوئے
فاخرہ کو فون کر رہی تھی۔

”اس سے تو وہ پسلے اچھی تھیں۔ میں جو دل جا ہے
کرتی، بھی دخل نہ دیا تھا انہوں۔ اپنے کام سے کام
رکھتی تھیں اور اب پتا نہیں کہاں سے ایسے گر
آگئے ہیں ان میں۔ مجھے زیچ کرنے، نیچا دکھانے کے
ایک سو ایک طریقے ہیں ان کے پاس۔“

اس نے ساری باتیں ایک ایک کر کے بتائیں۔
ابتدا شاپنگ والے واقعے سے کی۔

”یار، چھوٹی مولی ڈنڈی مارنا تو ہم یو یوں کا حق ہے
اور میکے کا بھرم، ہم بیٹیاں نہ رکھیں گی تو کون رکھے گا۔
مگر میری ساس نے تو مجھے شیراز کی نظر میں دو کوڑی کا
کر کے رکھ دیا۔ انہوں نے کہا کچھ نہیں۔ لیکن میں
جانتی ہوں کہ اب میں نے اعتبار کھو دیا ہے۔ اب تو ای
عید اور شب برات پہ واقعی اپنی جانب سے جو جوڑے
اور تحالف بھیجتی ہیں، وہ بھی مشکوک ہو جائیں گے۔

سردیوں کے دو گرم پتڑے انہوں نے میرے لیے
بنائے ہیں، ایک بلیک مرپنہ کا جس کے ساتھ مرپنہ کی
ہی کھمل کلر اور بلیک کامبی نیشن کی شال ہے۔ دوسرا
لینن کا پرنٹد تھری پیس سوت۔ کیس آنے جانے کے
لیے تھیک رہیں گے۔ امی کو کتنا خیال ہے میرا، شادی
کے دس برس بعد بھی ہر موسم کے میرے پتڑے
سلوانا نہیں بھولتیں۔“

اس سے پسلے کہ وہ اپنے میکے کی چند مزید عنایات
گزواتی، اس کی ساس کرنے میں داخل ہوئیں۔

”غیسہ بیٹا!“ وہ بڑی طرح ہز برا کے ان کی جانب
پلٹی۔ اس قدر لگاٹ اور نرمی سے انہوں نے بھی نہ
پکارا تھا۔

”بیٹا! یہ رسیدیں تمہارے کام کی تو نہیں؟ پکن کی
سلیب پڑھی تھیں۔“

وہ بات بھوے کر رہی تھیں مگر با تھوں میں بل چند
پرچیاں بیٹھے کے با تھوں میں تھما دیں۔

شیراز نے سرسری کی نظر ڈالتے ہوئے وہ رسیدیں
اس کی جانب بڑھانا چاہیں۔

پل بھر کے لیے ان کے چہرے پے مایوسی کی طاری
ہوئی، پھر جلدی سے با تھوں آگے بڑھا یا۔

ذراد کھانا شیراز اس دکان کا نام لکھا ہے۔ پر سوں
ہی یہ ساتھوں والوں کی مجھلی بھومنگلی کے روئے رورہی
ہی کہ بخوبی کے سردیوں کے یونی فارم اتنے مسلکے ہیں،
خریدنے کی ہمت نہیں ہو رہی۔ چلو بے چاری کا جلا
ہو جائے، اسے اس دکان کا نام بتا دوں جہاں سے نیمہ
خرید کے لائی ہے۔ خاصے سے ملے ہیں۔“

کمی کے با تھوں بڑھا کے پکڑنے سے پسلے انہوں نے
شیراز کو نیا کام بتا دیا۔

”دکان کا نام تو بتا رتا ہوں لیکن نبی بھی کون سا سنتے
لائی ہے۔ ایک سوت سولھ۔“

اچانک اس کی آنکھیں پسلے سکریں، پھر ایک دم
ضرورت سے زیادہ پھیل گئیں۔ ان ہمی پھیلے دیدوں کے
ساتھ اس نے کمی کو گھورا جو اس سے زیادہ پھیٹی ہوئی
آنکھوں کے ساتھ سٹ پٹایا ساز روچھہ لیے دل میں

آئیں۔ شیراز نے کارا شارت کرنے فوراً بعد حسب عادت ڈیک آن کیا اور اس اور تم بھی سکتی ہو میری کیا حالت ہوئی ہوگی۔ ”وہ روپڑی۔

”پتا نہیں کیا ہو گیا ہے میری ساس کو۔ ایسی خطرناک اور مجرمانہ ذہنیت تو ان کی بھی نہ رہی تھی۔ یہ سازشیں، یہ عماری یہ چال بازیاں، ان سب سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ میں نے تو بس یہ لائی کیا تھا کہ تمہاری ساس کی طرح میری ساس بھی میرے عشق میں مبتلا ہو جائیں۔ میرے ناز خرے اٹھا میں۔ شیراز کو میرا خیال نہ رکھنے پر دیپشیں، میرے ملنے جلنے والوں سے اخلاق برتنیں۔ اسی آس پہ اپنا پرانا اصول توڑتے ہوئے گھر میں کیبل لگوا یا۔ میں سوروپے میں کے الگ برباد ہوئے، گھر کا بنایا اپنا ہی قانون اپنے ہاتھوں سے توڑنے کا نقصان الگ اور حاصل و صول پچھے بھی نہیں۔ خاک فائدہ ہونا تھا، النا ہی اثر رہا ہے تمہارے اس موئے اشاریلیں کا۔ کتنی غلط بیانیں تھیں نہ تم نے میرے ساتھ۔ ایسی ہے تمہاری تلسی؟“

”نہیں، وہ تو ایسی نہیں۔“ فاخرہ نے جواب دیا۔ ”وغلطی میری نہیں، غلطی تمہاری بھی نہیں۔“ غلطی تو تمہاری ساس کے ذوق کی ہے۔ انہیں اس چینل ہے دکھائی جانے والی ڈریڑھ درجن ساسوں میں ڈھنگ کی ساس کوئی نہ بھائی۔ نہ تلسی نہ پاروی۔ پسند آئی تو رمولا اور لیتیاریوی، لگتا ہے انہوں نے ”ساس بھی کبھی ہو تھی“ کے بجائے ”کہیں کسی روز“ زیادہ رہ لکھا ہے۔ ”یہ اس کا تجزیہ تھا۔

”یہ کیا بلا ہے؟“ گھر میں کیبل لگے دو ماہ ہورے تھے لیکن وہ اب تک ان ڈراموں سے ناواقف تھی۔ ”یہ وہ ڈرامہ ہے جس میں ساسوں کو بسوں سے نجات حاصل کرنے، انہیں جان سے مارنے کے نت نے حریبے سکھائے جاتے ہیں۔“

اس نئی اطلاع کے بعد اگلی صبح جو پہلا کام نہیں نے کیا تھا، وہ کیبل کا کنکشن زکار لئے کا تھا۔ اپنی جان کے پیاری نہیں۔

ہونہ ہو، میری ساس نے میری کمرے کی تلاشی لی تھی جب میں پکن میں مصروف تھی۔

شیراز نے اپنے دوستوں کی دعوت کی۔ یقین کرو، سارا کھانا پکانے کے بعد میں نے خود چیک کیا تھا۔ میری پرانی عادت ہے کہ کھانا تیار ہونے کے بعد نمک مرچ وغیرہ چکھ کے چولہا بند کرتی ہوں کہ کمی بیشی نہ رہ جائے۔ اس دن بھی اپنا اطمینان کر لینے کے بعد میں شاور لئے گئی۔ واپس آکے کھانا سرو کیا۔ تو پوچھومت کتنی بسلی ہوئی میری۔ کسی میں نمک کرواؤ تو کسی میں مرچ کراری اور پتا ہے میں نے پکن سے اسی کو نکلتے دیکھا تھا، تب میں نے سوچا گئی بھول کی کسی کام سے لیکن اب یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ یہ کارنامہ ان کا تھا۔

پتا ہے تم سے اتنی آہستہ آواز میں بات کیوں کر رہی ہوں۔ میری ساس کو دیواروں، دروازوں سے کان لگا کے سنتے کی بڑی لست بھی پڑھکی ہے۔ اکثر کمرے سے نکلتے ہی انہیں دروازے سے لگا یاتی ہوں۔ پرسوں توحد ہو گئی، میں آپسے بات کر رہی تھی، بہن بہن کے آپس میں سو رکھ سکھ ہوتے ہیں، اور وہ ایکس سینٹشن پہن رہی تھیں۔ بعد میں مجھے مشغول نہ بتایا۔

اور آج جو ہوا ہے وہ میری برداشت سے باہر ہے۔ ان دس سالوں میں بھی بھی شیراز سے میرا اس قدر تنگیں جھکڑا نہیں ہوا جتنا بھی پچھہ دیر پسلے ہوا ہے۔ تم یقین نہیں کریو گی، انہوں نے کیسی مجرمانہ حرکت کی ہے۔ آپ آئی تھیں، میں پسلے ہی ابھی ہوئی تھی امی کی حرکتوں سے ان کی ہمدردی پا کے اپنا دل ہلکا کر بیٹھی۔ انہوں نے میری ساری گفتگو نجاتے کس طرح ٹیپ کر لی۔“

”کیا؟“ اب تک صبر سے اس کی نان اشپ باتیں سنتی فاخرہ میں اسی آواز میں چلا اٹھی۔

”ہاں، یقین نہیں آرہاں؟ نہ صرف ٹیپ کر لی بلکہ ڈنر کے بعد جب، ہم لانگ ڈرائیور جانے لگے تو کسی طرح نظر بچا کے کیسٹ گاڑی کے ڈیک میں بھی رکھ

